حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نظریۂ تخریج

ایک تنقیدی جائزہ۔۲

حضرت شاہ ولی اللہ کے دلائل کا جائزہ

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے نظریہ تخریج پر الانصاف اور حجۃ اللہ میں تفصیل سے بحث کی ہے ، اپنے موقف کی تائید کیلئے انہوں نے تین دلیلیں پیش کی ہیں، ہم ترتیب وار ان تینوں دلیلوں کا جائزہ لیتے ہیں

(۱) حضرت شاہ صاحب کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اہل کوفہ کو اپنے مشائخ اور اساتذہ سے خصوصی لگاؤ تھااور ان کی پوری توجہات کا مرکز کوفہ کے فقہااور مشائخ تھے اور اس ضمن میں انہوں نے حضرت مسروق اور امام ابوحنیفہ کا واقعہ پیش کیاہے۔

حضرت مسروقؒ نے ایک مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول چھوڑ کر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کرلیا تھاتوان سے علقمہ نے کہا تھاکہ کیاکوئی اہل مدینہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی زیادہ صاحب علم ہے،اس پر مسروق نے کہاکہ ایسی بات نہیں ؛لیکن حضرت زید بن ثابت کو میں نے راسخین فی العلم میں سے پایاہے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ جب امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی میں رفع یدین پر مناظرہ ہواتوامام ابوحنیفہ نے فرمایا: اگر حضرت عبداللہ بن عمر کو شرف صحابیت حاصل نہ ہوتی تومیں کہتاکہ علقمہ ابن عمر سے زیادہ فقیہ ہیں، ان مثالوں سے محض یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کو اپنے مشائخ اور مشائخ کے مشائخ سے دلی لگاؤتھااوران کے اقوال واجتہادات کے ساتھ خصوصی تعلق تھا؛لیکن یہ توفطری چیز ہے،ہر شہر والے کو اپنے شہر اور ملک کے عالم وشیخ سے محبت ہوتی ہے، اہل مدینہ کو فقہاء سبعہ اوران کے مشائخ حضرات صحابہ سے فطری لگاؤتھا،مکہ والوں کوحضرت عبداللہ بن عباس اوران کے شاگردوں سے خصوصی لگاؤتھا، اہل شام کوحضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہؓ وغیرہ اوران کے شاگردوں سے خصوصی محبت تھی۔ یہ دونوں نقل کردہ اثراس بات کوتوبتاتی ہیں کہ اہل کوفہ کواپنے مشائخ اوراساتذہ سے محبت تھی؛ لیکن اس سے نظریہ تخریج پر کوئی روشنی نہیں پڑتی اورنہ یہ نظریہ تخریج کے لیے دلیل بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ کی دوسری دلیل منطقی اور قیاسی ہے ،پہلی بات یہ کہ اہل الرائے حضرات کو مسائل کاجواب بتانے اور فتویٰ دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی ،دوسری بات یہ کہ اہل الرائے کے پاس احادیث وآثار کا وسیع ذخیرہ نہیں تھا، نتیجہ یہ نکلتاہے کہ ایسے میں محض تخریج ہی ایک واحد طریقہ کار بچ جاتاہے ،جس سے وہ پیش آمدہ مسائل کاجواب دیتے تھے۔

گویااس صغری کبریٰ کاملاپ نظریہ تخریج کا مولد ہے۔ صغریٰ یہ ہے کہ شہروں کی خاک چھان کر حدیث

کی تلاش کر نہیں سکتے تھے، پیش آمدہ مسائل کا جواب دینے کیلئے حدیث کا سرمایہ کم تھا اور کبریٰ یہ ہے کہ فقہ و فتاویٰ میں خاص دلچسپی ہے اور رائے بیان کرنے میں کوئی باک نہیں ہے نتیجہ نظریۂ تخریج کی صورت میں سامنے آ گیا۔ سر دست ہم صرف حضرت شاہ صاحب کا موقف پیش کر رہے ہیں، ہم آگے چل کر عرض کریں گے کہ یہ دونوں ہی صغری اور کبریٰ مشکوک بلکہ مخدوش ہیں لہٰذا جس صغری و کبریٰ کے ملانے پر نتیجہ کی بنیاد رکھی گئی، وہ بنیاد ہی غارت ہو جاتی ہے تو ظاہر ہے اس صغریٰ و کبری سے حاصل شدہ نتیجہ کا انجام بھی بخیر نہیں ہوگا۔

ہم شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے صغری اور کبریٰ کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ دلائل کی کسوٹی پر یہ صغریٰ اور کبریٰ کہاں تک پورے اترتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ کا دعویٰ یہ رہا ہے کہ اہل عراق کے پاس حدیث کا سرمایہ کم تھا، محدثین کی طرح مختلف شہروں اور ملکوں میں گھوم گھوم کر احادیث کے جمع کرنے سے قاصر تھے، یہ دعویٰ صرف حضرت شاہ ولی اللہ کا ہی نہیں بلکہ ماضی کے کچھ علماء مثلاً ابن خلدون اور شہرستانی وغیرہ نے بھی یہ دعویٰ کیا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ عراق احادیث میں حجاز سے کسی اعتبار سے کم تر نہیں تھا۔

عراق احادیث کے معاملہ میں حجاز سے کمتر نہیں!

اولاً تو یہ دعویٰ ہی صحیح نہیں ہے کہ اہل عراق کے پاس حدیث کا سرمایہ کم تھا، حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف تذکرۃ الحفاظ کھول کر بیٹھ جائے اور کوفی وبصری اور بغدادی محدثین کو تلاش کرے تو اسے حیرت ہوگی کہ کوفہ وبصرہ کے محدثین حضرات کسی طرح مکہ اورمدینہ سے کم نہیں ہیں، نہ معیار میں نہ مقدار میں، کون کہہ سکتا ہے کہ علقمہ اور اسود سعید بن المسیب اور دیگر فقہاء سبعہ سے فروتر ہیں؟ کون کہہ سکتا ہے کہ سفیان ثوری امام مالک سے کم ہیں؟ کون کہہ سکتا ہے کہ سلیمان بن مہران معروف بہ اعمش زہری سے کم ہیں؟ کون کہہ سکتا ہے کہ شعبی کسی حجازی محدث سے کم درجہ ہیں؟ کون کہہ سکتا ہے کہ شعبہ کسی حجازی محدث سے کم تر ہیں، کس کی یہ مجال ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان کو امام مالک سے فروتر قرار دے، پھر اس کے بعد فوراً متصل دیکھئے تو امام یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی ہیں، احمد بن حنبل ہیں، عبدالرحمٰن بن مہدی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال کی عراق میں حدیث کم تھی، ایک غلط خیال ہے جو نقل در نقل ہوتا چلا آ رہا ہے؛ لیکن کسی نے اس پر رک کر غور کرنے سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب نے اپنی بیش قیمت تصنیف مقام امام ابو حنیفہ میں اس پر اچھی بحث کی ہے اور محض تذکرۃ الحفاظ جو حافظ ذہبی کی تصنیف ہے، اس میں سے سو سے زائد محدثین کوفہ کی نشاندہی کی ہے، جو سب کے سب حافظ حدیث اور بعضے امیر المومنین فی الحدیث تھے، اگر آپ کوفہ کے ساتھ بصرہ اور بغداد کو بھی اس فہرست میں شامل

کر لیں تو عراق کا علم حدیث میں رتبہ بے تحاشا بڑھ جاتا ہے۔[30]

اس مقالہ میں اس کی گنجائش نہیں کہ عراق میں علم حدیث کی جو گرم بازاری تھی، اس کا مفصل ذکر کیاجائے، اس پر علامہ زاہد الکوثری نے نصب الرایہ کے مقدمہ "فقه ـاہل ـالعراق ـوحدیثهم" میں بہترین اور محققانہ کلام کیاہے، اس کے علاوہ اس موضوع پر مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کی کتاب "مقام امام ابوحنیفہ "میں بھی بہتر مواد موجود ہے، جس سے اس غلط خیال کی پورے طورپر تردید ہوجاتی ہے کہ کوفہ یاعراق میں علم حدیث کم تھا، جن حجازی ائمہ نے اس سلسلے میں کچھ طعن وتعریض کے کلمات کہے ہیں تو وہ معاصرانہ اور حریفانہ چشمک ور قابت کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کو کوفہ وعراق میں حدیث کم ہونے کی دلیل سمجھناغلط ہے۔

امام ابوحنیفہ اور علم حدیث

امام ابوحنیفہ کی پیدائش 80 ہجری میں ہوئی ہے جب کہ بعض روایات اس سے پہلے بھی کی ہیں، زاہد الکوثری نے مختلف قرائن کی بنیاد پر 80 سے پہلے کی روایت کو تانیب الخطیب میں ترجیح دیا ہے (تانیب الخطیب، ص 42/44) جوں جوں عہد رسالت سے بعد ہوتا گیا، اسناد کے وسائط یعنی راوی سے لے کر رسول اللہ تک واسطے بڑھتے گئے، حدیث کی سندیں اور طرق میں اضافہ ہوا، اس کے برعکس رسول پاک ﷺ سے جس قدر قرب زمانی کم ہوا، وسائط کم ہوئے اور حدیث کے طرق کم ہوئے، اس طرح رسول پاک ﷺ سے جو جتنا قریب رہا، اس کیلئے احادیث کے اسناد اور طرق اتنے ہی کم اور وسائط اتنے ہی کم رہے جس کی وجہ سے اس کیلئے احادیث کے ذخیرہ پر حاوی ہونا اور روایتوں کو محفوظ کرنا زیادہ آسان تھا۔

امام ابوحنیفہ کا عہد رسالت سے بالکل قریب کا ہے، امام ابوحنیفہ کے اساتذہ میں زیادہ تر اوساط اور کبار تابعین ہیں، امام ابوحنیفہ سے رسول پاک ﷺ تک راویوں کا واسطہ بہت کم ہے جس کی بناء پر سند مختصر اور احادیث کی تعداد بھی کم تھی، امام ابوحنیفہ کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: وعنی بطلب الآثار، وارتحل فی ذلک (سیر اعلام النبلاء، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، 6/392) اورآثار کی طلب میں توجہ کی اور اس سلسلے میں اسفار کیے، حافظ ذہبی مزید لکھتے ہیں کہ طلب حدیث میں امام ابوحنیفہ کی یہ جدوجہد ایک ہجری کے بعد دوسری ہجری کی ابتداء میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء، 6/396) امام ابوحنیفہ اموی حکومت کے داروگیر کے باعث تقریباچھ سال تک کوفہ کو چھوڑ کر مکہ میں رہے، اس دوران دنیا بھر سے آنے والے محدثین عظام سے وہ علم حدیث حاصل کرتے رہے، پھرآپ سال بہ سال حج کرتے تھے، روایتوں میں پچاس پچپن، ساٹھ حج کا ذکر

---

30 اس میں کوئی شک نہیں کہ مکہ میں بیت اللہ ہے، مدینہ مھبط وحی اور رسول پاک کی قبر انور وہاں ہے اور وہیں سے سارے عالم مین اسلام پھیلا، صحابہ کرام کی بڑی تعداد وہاں محو خواب ہے، لیکن جس دور کی ہم بات کررہے ہیں یعنی امام مالک اورامام ابوحنیفہ کی، اس دور کے لحاظ سے اگر ہم دونوں جگہ کی علمی حیثیت کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ علم وحدیث کے میدان میں کوفہ یادوسرے لفظوں میں عراق مدینہ ومکہ سے کسی طور پیچھے نہیں تھا۔

ملتا ہے، حج کے ایام میں دنیا بھر کے محدثین سے استفادہ کا موقع ملتا رہا۔

علم حدیث میں امام صاحب کی عظمت شان کا اعتراف

امام ابوداؤد فرماتے ہیں: "اللہ شافعی پر رحم کرے وہ امام تھے، اللہ مالک پر رحم کرے وہ امام تھے اللہ ابوحنیفہ پر رحم کرے وہ امام تھے"۔ظاہر سی بات ہے کہ جس طرح امام شافعی اور امام مالک کی امامت فقہ وحدیث دونوں میں ہے،اسی طرح امام ابوحنیفہ کو بھی ان کے ساتھ ملا کر امام ابوداؤد نے بتادیا کہ امام ابوحنیفہ بھی فقہ وحدیث کے امام ہیں۔(الانتقاء 1/32) حماد بن زید جو بڑے درجہ کے محدث ہیں اور جن کو حافظ ذہبی نے گراں قدر القاب سے یاد کیا ہے ،ان کے بارے میں حافظ المغرب ابن عبدالبر لکھتے ہیں، "انہوں نے امام ابوحنیفہ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں" (الانتقاء ص 130) مشہور محدث مسعر بن کدام کہتے ہیں : "میں نے امام ابوحنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی لیکن وہ ہم پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو اس معاملہ میں بھی ہم پر غالب رہے اور ہم نے ان کے ساتھ فقہ طلب کی تو تم دیکھ ہی رہے ہو کہ انہوں نے اس میں کیا کمال حاصل کیا ہے" (مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ ص 43)

سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا خاص امتیاز یہ تھا کہ آپ ہر قسم کی واہی تباہی احادیث کا ذخیرہ جمع کرنے کے فراق میں نہیں رہتے تھے ؛بلکہ آپ ان احادیث کو جمع کرتے تھے جو ثقہ رواۃ سے مروی ہوں اور صحیح ہوں اور جو رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل رہا ہو[31]۔

:حفاظ حدیث میں شمار

حافظ ذہبی نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ 1/126،دار الکتب العلمیۃ بیروت) اور تذکرۃ الحفاظ کے بارے میں خود حافظ ذہبی لکھتے ہیں :

هذه تذكرة بأسماء مُعَدِّلِي حَمَلَةِ العِلْمِ النبوي، ومن يُرْجَعُ إلى اجتهادهم في التوثيق والتضعيف، والتصحيح والتزييف(مقدمہ تذکرۃ الحفاظ)

ترجمہ :اس کتاب میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو عادل ،علم نبوت کے حامل اور احادیث وروات کی توثیق وتضعیف اور کھرے کھوٹے الگ کرنے میں جن کی جانب رجوع کیا جاتا ہے۔

حافظ ذہبی نے ہی المعین فی طبقات المحدثین میں بھی آپ کا ذکر کیا ہے،(دیکھئے مذکورہ کتاب ص 51، مطبع دار الفرقان- عمان-الأردن) اس کتاب کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

فَهَذِهِ مُقَدِّمَة فِي ذكر أَسمَاء أَعْلَام حَملَة الْآثَار النَّبَوِيَّة تبصر الطَّالِب النبيه

31: سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ يَقُولُ كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ شَدِيدَ الْأَخْذِ لِلْعِلْمِ ذَابًّا عَنْ حَرَمِ اللَّهِ أَنْ تُسْتَحَلَّ يَأْخُذُ بِمَا صَحَّ عِنْدَهُ مِنَ الأَحَادِيثِ الَّتِي كَانَ يَحْمِلُهَا الثِّقَاتُ وَبِالآخَرِ مِنْ فِعْلِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَبِمَا أَدْرَكَ عَلَيْهِ عُلَمَاءَ الْكُوفَةِ (الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ 142)

وتـذكر المُحـدث المُفِيـد بِمـن يقبح بالطلبـة أن يجهلـوهم وَلَيْـسَ هَـذَا كتـاب بالمستوعب للكبار بل لمن سَار ذكره فِي الأقطار والأعصار وَبِاللَّهِ أَعْتَصِم وَإِلَيْهِ أنيب (مقدمہ المعین فی طبقات المحدثین)

حافظ ذہبی کے ہم عصر اور اونچے درجہ کے محدث وفقیہ عبدالہادی مقدسی حنبلی نے بھی مختصر طبقات علماء الحدیث میں امام ابوحنیفہ کا ذکر خیر کیاہے۔(دیکھئے مختصر طبقات علماء الحدیث جلداول ،ترجمہ امام ابوحنیفہ)،اس کتاب کے بارے میں حافظ عبدالہادی لکھتے ہیں:

فهذا كتاب مختصر يشتمل على جملة من الحفاظ من أصحاب النبي صلَّى الله عليه وسلّم والتابعين ومن بعدهم، لا يسع من يشتغل بعلم الحديث الجهل بهم (طبقات علماءالحدیث(77/1)

مشہور محدث ابن ناصرالدین دمشقی شافعی نے بھی حفاظ حدیث پر لکھے گئے اپنے منظومہ ’’بدیعۃ البیان عن موت الاعیان‘‘ میں امام ابوحنیفہ کا ذکر کیاہے،چنانچہ لکھتے ہیں:

بَعْدَهُمَا فَتَى جُرَيْجٍ الدَّانِي ... مِثْلُ أَبِي حَنِيفَةَ النُّعْمَانِي

(بحوالہ مکانۃ الامام ابوحنیفہ فی الحدیث،ص 60)

جمال الدین یوسف بن حسن الصالحہ الحنبلی جوابن مبرد کے نام سے مشہور ہیں،انہوں نے بھی امام ابوحنیفہ کا ذکر حفاظ حدیث میں کرتے ہوئے اپنی تصنیف ’’طبقات الحفاظ‘‘ ہیں ذکر کیاہے،جس سے شیخ عبداللطیف ہاشم سندی نے اپنی تصنیف ’’ذَبُّ ذُبَابَاتِ .الدراسات،عن .المذاهب .الأربعة .المتناسبات" میں نقل کیاہے۔ان کے علاوہ حافظ سیوطی نے طبقات الحفاظ میں اور محدث علامہ محمد بن رستم قباد بدخشی نے تراجم الحفاظ میں امام ابوحنیفہ کا ذکر کیاہے۔

امام ابوحنیفہ حافظ حدیث ہونے کے علاوہ جرح وتعدیل کے بھی امام تھے،اس کا بھی ذکر محدثین عظام امام ترمذی بلکہ ان سے قبل سے لے کر حافظ سخاوی اور مابعد تک کرتے آئے ہیں۔(دیکھئے ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل للذہبی اور المتکلمون فی الرجال للسخاوی)

مولانا عبدالرشید نعمانی کی ایک بہترین تصنیف مکانۃ الامام ابوحنیفہ فی علم الحدیث ہے، اس میں مولانا نے بڑی محنت اور تحقیق وتفتیش سے ثابت کیاہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کا علم حدیث میں کیامقام اور مرتبہ تھااور کس طرح بعد کے لوگوں نے بھی علم حدیث میں ان کی اس عظمت کو تسلیم کیاہے، یہ بات دوسری ہے کہ انہوں نے روایت حدیث کو مرکز توجہ نہیں بنایا،اس طرح علم حدیث میں ان کی مہارت اوررسوخ دنیا کے سامنے نہیں آسکی اورنہ دنیانے ان کو اس حیثیت سے پہچانا جیسے امام بخاری فقیہ ہونے کے باوجود دنیاکے سامنے فقیہ کی حیثیت سے نہ آسکے اور نہ کسی فقیہ نے اپنی کتاب میں ان کو جگہ دی۔اسی طرح قاسم حارثی عبدہ نے بھی اپنے دکتوراہ کا موضوع مکانة .الامام .ابی .حنيفه .بين .المحدثين کو بنایاہے اوراس پر ایک سیر حاصل مقالہ لکھاہے جس سے واضح ہوتاہے کہ نہ صرف امام ابوحنیفہ کا علم حدیث میں بڑامقام تھابلکہ

محدثین کے درمیان بھی انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

اگر ہم اس بات کو بالفرض تسلیم بھی کرلیں کہ اہل الرای حضرات یعنی امام ابوحنیفہ وغیرہ کے پاس حدیث کا سرمایہ نہیں تھا تو بھی کوفہ جہاں عظیم محدثین کی ہمیشہ ایک بڑی تعداد رہی ہے، کیا مسائل کے حل میں وہ ان محدثین سے رجوع نہ کرتے ہوں گے ؟ آج کے دور میں بھی ایک معمولی محقق بھی جب کسی مسئلہ کی تحقیق کرتا ہے تو کتابوں سے مدد لیتا ہے، جو بڑے عالم اس موضوع کے جانکار ہوتے ہیں، ان کی رائے حاصل کرتا ہے، ان سے مزید مواد کے سلسلے میں استفسار کرتا ہے تو کیا خیر القرون کے اس دور میں امام ابوحنیفہ کسی مسئلہ کے استنباط میں کوفہ میں موجود محدثین سے اس موضوع کے تعلق سے احادیث کے تعلق سے دریافت نہ کرتے ہوں گے ؟

کوفہ کی علمی اور حدیثی عظمت اور امام ابوحنیفہ کی علم حدیث میں گہرائی اور گیرائی بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے جن بنیادوں پر قصر تخریج کی عمارت اٹھائی ہے، اس کی کمزوریاں واضح کی جائیں۔

حدیث کی روایت نہ کرنا عدم علم کو مستلزم نہیں

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث کی روایت نہ کرنا علیحدہ بات ہے اور حدیث سے واقف نہ ہونا دوسری بات ہے، حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کی روایتیں کم ہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کو کم روایتیں معلوم تھیں ؟ اگر امام ابوحنیفہ کی روایت سے کتب صحاح خالی ہونے کا یہ مطلب لیا جائے کہ ان کے پاس حدیث کا سرمایہ نہیں تھا تو کیا کتب فقہ میں امام بخاری کی آراء نہ نقل کیے جانے سے یہ مطلب نکالنا درست ہوگا کہ وہ فقیہ نہیں تھے ؟[32]

جس طرح امام بخاری کی آراء سے کتب فقہ وخلافیات کا خالی ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ فقیہ نہیں تھے، اسی طرح اہل الرائے حضرات کی روایتوں سے کتب حدیث کا خالی ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ محدث نہیں تھے، یا ان کے پاس حدیث کا معتدبہ سرمایہ نہیں تھا ؟ ؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں اہل الحدیث حضرات نے متعدد اہل الرای حضرت سے باوجود مستحق ہونے کے ان سے روایت نہیں لی ہے اور روایت نہ لینے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ اہل الرای میں سے تھے، حضرات محدثین کے اس ظلم وتعصب کی جانب علامہ

32: واضح رہے کہ امام بخاری کے اخص الخواص شاگرد امام ترمذی نے اپنی کتاب سنن میں دیگر فقہاء محدثین کی آراء نقل کرنے کا اہتمام تو کیا ہے، مثلاً عبداللہ بن مبارک، احمد بن حنبل، یحییٰ بن سعید القطان، اسحاق بن راہویہ وغیر ذلک لیکن وہ کہیں پر بھی امام بخاری کی فقہی رائے کا اظہار نہیں کرتے۔

شام جمال الدین قاسمی [33]،امام یحیٰ بن معین[34]اور ابن عدالبر[35]وغیرہ نے بھی اشارات کیے ہیں،خود شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے الرفع والتکمیل[36]میں اس کے تعلق سے متعدد نقول بہم پہنچائے ہیں،جہاں محدثین نے کسی سے محض اس کے اہل الرائ ہونے کی وجہ سے روایت نہیں لی۔

محدثین کے پاس لاکھوں احادیث کی حقیقت

اکثر لوگوں کو اس بات سے غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ بخاری نے چھ لاکھ سات لاکھ احادیث سے انتخاب کرکے صحیح الجامع مرتب کی(تاریخ بغداد 2/9)امام مسلم نے مسلم شریف تین یاچار لاکھ احادیث سے انتخاب کرکے تالیف کی(طبقات الحنابلہ 1/338،دار المعرفۃ- بیروت) ،ابوداؤد نے پانچ لاکھ احادیث سے سنن ابی داؤد مرتب کی(مختصر تاریخ دمشق 10/109، دار الفکر دمشق - سوریا)یہ محدثین ملکوں اور شہروں میں گھومے تو ان کے پاس احادیث کا وسیع ذخیرہ ہوگیااور اہل الرائے کوفہ تک محدود رہے ،اس لئے ان کی معلومات کچھ ہزار حدیثوں سے آگے نہیں بڑھ سکی۔

محدثین کا خاص طرز تھا کہ وہ دنیا بھر میں گھوم پھر کر ایک حدیث کے زیادہ سے زیادہ سند اور طرق تلاش کرتے تھے جیساکہ یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ اگر کوئی حدیث میرے پاس سو طرق سے نہ ہو تو اس کی صحت معلوم نہیں ہوتی،لَوْ لَمْ نَكْتُبِ الْحَدِيثَ مِنْ مِائَةِ وَجْهٍ مَا وَقَعْنَا عَلَى الصَّوَابِ (الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ،2/595،مکتبۃ الرشد -الریاض) ابراہیم بن سعید جوہری کہتے ہیں اگر میرے پاس کسی حدیث کی سو سند نہ ہو تو اس حدیث کے معاملہ میں ،میں خود کو یتیم سمجھتا ہوں،كل حَدِيث لم يكن عندي من مائة وجه فأَنَا فِيهِ يتيم(تاریخ بغداد 6/618،دار الغرب الاسلامی –بیروت)

پھر جیسے جیسے حدیث کے روات اور شیوخ کا دائرہ وسیع ہوتاگیا، حدیث کے طرق اور سندوں میں اضافہ ہوتاگیا، مثلاحضرت عمرؓ سے ایک حدیث مروی ہے،ان سے اس حدیث کی روایت کرنے والے چارافراد ہیں، پھر ان چاروں سے اس حدیث کو سننے والے چالیس افراد ہیں، پھر ان چالیس افراد سے روایت

---

33 : كالإمام أبي يوسف والإمام محمد بن الحسن فقد فقد لينهما أهل الحديث - كما ترى في "ميزان الاعتدال " - ولعمري لم ينصفوهما وهما البحران الزاخران، وآثارهما تشهد بِسَعَةِ عِلْمِهِمَا وَتَبَحُّرِهِمَا، بل بتقدُّمهما على كثير من الحفاظ. وناهيك كتاب " الخراج " لأبي يوسف و"موطأ " الإمام محمد(الجرح والتعدیل،ص 31)

34 : يَحْيَى بْنَ مَعِينٍ يَقُولُ: «أَصْحَابُنَا يُفْرِطُونَ فِي أَبِي حَنِيفَةَ وَأَصْحَابِهِ (جامع بیان العلم وفضلہ 2/1081)

35 : قَالَ أَبُو عُمَرَ: وَأَمَّا سَائِرُ أَهْلِ الْحَدِيثِ فَهُمْ كَالْأَعْدَاءِ لِأَبِي حَنِيفَةَ وَأَصْحَابِهِ(الانتقاء ص : 173)

36دیکھئے:الرفع والتکمیل ص 70تا 77

سننے والے چار سو افراد ہیں اور ان چار سو افراد سے اس روایت کو نقل کرنے والے چار ہزار افراد ہیں، اب ایک شخص ان چار ہزار افراد سے یہی ایک حدیث سنتا ہے تو چار ہزار سندوں کی وجہ سے وہ ایک حدیث چار ہزار حدیث ہو جاتی ہے، مختصر یہ سمجھئے کہ جو حال آبادی میں اضافہ کا ہے، دو سے دس، دس سے سو، سو سے ہزار، کچھ اسی طرح کا حال حدیث کی سند کا ہے، تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ جتنا دور ہوتا جائے گا، راویوں کی تعداد اتنی ہی بڑھتی جائے گی، حدیث کے طرق اور اسناد میں اضافہ ہوتا جائے گا،اس کی واضح مثال انما الاعمال بالنیات والی حدیث ہے، اس کو حضور پاک سے نقل کرنے والے حضرت عمرؓ ہیں، ان سے روایت کرنے والے ایک راوی ہیں اور پھر ان سے روایت کرنے والے بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ محدثین نے اس ایک حدیث کی سات سو سندیں تلاش کی ہیں۔) فتح المغیث 1/28)

اب جن محدثین کے بارے میں ہم سنتے ہیں کہ ان کے پاس سات لاکھ، دس لاکھ اور پانچ لاکھ احادیث تھیں، تو اس کو اسی اضافہ سند پر قیاس کرنا چاہئے اور اسی اعتبار سے دیگر محدثین کے پاس لاکھوں کی تعداد میں احادیث تھیں، ورنہ اگر نفس حدیث کی بات کی جائے تو صحیح متصل مرفوع بلاتکرار احادیث کی تعداد صرف چار سے پانچ ہزار کے درمیان ہے،اس سے زائد نہیں ہے جیساکہ اس کی صراحت حافظ ابن حجر نے کی ہے۔ ("النکت علی ابن الصلاح"، ص 992)

واضح رہے کہ اس میں ذکر کردہ ثوری، شعبہ، امام احمد بن حنبل، ابن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان سب کے سب امیر المومنین فی الحدیث ہیں، ان کے بارے میں کہاجاتا ہے کہ احادیث کے تقریباً تمام ذخیرہ پر ان کی نگاہ اور نظر ہے،ایسے میں ان کی یہ بات کتنی وزنی اور مستند ہے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ تو مرفوع متصل صحیح بلاتکرار حدیث کی تعداد ہوئی، اب اس میں احادیث احکام کی کیا تعداد ہے،ظاہر سی بات ہے کہ بہت ساری احادیث فضائل، زہد اور دیگر ابواب میں مذکور ہیں،ایسے میں یہ بات ہر عاقل پر روشن ہے کہ احکام کی حدیث کی تعداد اس تعداد سے یقینا کم ہوگی۔ حافظ بیہقی امام شافعی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ احادیث جن پر حلال وحرام کا مدار ہے،ان کی تعداد پانچ سو ہے۔ (مناقب الشافعي"(915\1 تحقيق أحمد صقر)

اگر ہم مان لیں کہ چلو پانچ سو نہیں حدیث حسن وغیرہ ملا کر دو ہزار کے قریب حلال وحرام کی احادیث کی تعداد ہے تو کیا ان دو ہزار احادیث کے حفظ وضبط سے بھی ائمہ احناف عاجز تھے؟ امام ابو یوسف کے بارے میں طبری نے لکھا ہے کہ ان کا حافظہ اس غضب کا تھا کہ کسی محدث کے درس میں شریک ہوتے تھے اور سن کر ہی پچاس ساٹھ حدیثیں یاد کر لیتے تھے اور پھر اس کو بغیر کسی تغیر وتبدل کے دوہرادیتے تھے اور امام ابو یوسف کثیر الحدیث تھے (الانتقاء ص 172) کیا ایسوں کیلئے دو ہزار تین ہزار حدیثیں یاد کرنا بھی مشکل ہے؟ لہذا حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے اہل الرائے کے پاس احادیث کم ہونے کی وجہ سے تخریج کا جو نظریہ تراشا ہے، وہ درست معلوم نہیں پڑتا۔

درج بالا بحث سے یہ بات واضح ہے کہ احادیث کا سرمایہ یوں ہی کم ہے اور پھر جس قدر احکام میں

احادیث کی ضرورت پڑتی ہے اس کا معتدبہ حصہ امام ابو حنیفہ کے پاس موجود تھا، پھر خود کوفہ میں علم حدیث کے امیر المومنین ایک نہیں، کئی کئی موجود تھے، ان سے کسی بھی مسئلہ میں استفادہ کیا جاسکتا تھا، لہٰذا قلّت حدیث کو تخریج کی بنیاد بنانا درست نہیں ہے۔

(۳) تیسری دلیل حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی یہ ہے کہ کتاب الآثار اور مصنف عبدالرزاق میں حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ سے بڑی تعداد میں حضرت ابراہیم کے فتاویٰ منقول ہیں اور انہی کے مطابق امام ابو حنیفہ کی رائے بھی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ ابراہیم نخعی کے قول پر تخریج کرتے تھے۔ (الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ص 39)

بظاہر یہ دلیل سابقہ دونوں دلیلوں سے قوی نظر آتی ہے اور کتاب الآثار کے مطالعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم نخعی کے اجتہادی اقوال انہوں نے بکثرت بیان کئے ہیں اور زیادہ مقامات وہ ہیں، جہاں انہوں نے ابراہیم نخعی کے قول کے مطابق ہی اپنی رائے بنائی ہے؛ لیکن یہ پورا سچ نہیں ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی درست ہے کہ کتاب الآثار میں ایسے مقامات بھی کم نہیں ہے جہاں امام ابو حنیفہ نے ابراہیم نخعی کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور ابراہیم نخعی کی رائے کے مقابلہ میں مکی اور مدنی فقہائے کرام کی رائے کو پسند کیا ہے، اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریہ تخریج کے دلائل اور امام مالک :

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے احناف کو اہل الرائے میں سے قرار دیا ہے اور اہل الحدیث اور اہل الرائے کے درمیان فرق وامتیاز "تخریج" کو قرار دیا ہے، تخریج کے نظریہ کیلئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دلائل ماقبل کے صفحات میں گذر چکے، حضرت شاہ صاحب جن دلائل کی بنیاد پر احناف کو یا امام ابو حنیفہ کو اہل الرائے قرار دیتے ہیں بعینہ انہی دلائل کی بنیاد پر تو امام مالک کو بھی اہل الرائے قرار دیا جاسکتا ہے؛ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ نے کہیں بھول کر بھی امام مالک کو اہل الرائے میں شمار نہیں کیا ہے۔

اگر ائمہ احناف اپنے کوفہ کے علماء ومشائخ سے از حد عقیدت رکھتے تھے تو یہ بات امام مالک کے یہاں بھی ہے، وہ بھی اپنے فقہاء ومشائخ سے بے انتہا عقیدت رکھتے ہیں، بالخصوص عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن المسیب، نافع اور فقہاء سبعہ وغیرہ، اس کی انتہا یہ ہے کہ عمل اہل مدینہ کے مقابل حدیث تک کو ترک کردیتے ہیں، جب کہ امام ابو حنیفہ سے اس طرح کا نہ کوئی اصول منقول ہے اور نہ کوئی فرع، جس میں انہوں نے حدیث رسول پر اپنے مشائخ یا اپنے شہر کے علماء کو ترجیح دی ہو۔

اگر کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی کے اقوال بکثرت ملتے ہیں اور وہی فقہ حنفی کا مسلک ومذہب قرار پاتا ہے تو امام مالک کی موطا بھی فقہاء سبعہ، سعید بن المسیب اور نافع وغیرہ کے اقوال سے مملو اور پُر ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ جتنا ابراہیم نخعی کے اقوال سے متاثر نہیں دکھائی دیتے، اس سے کہیں زیادہ امام مالک فقہاء سبعہ کے اقوال سے متاثر نظر آتے ہیں۔

اب رہ گئی آخری بات کہ امام مالک کے پاس روایات کا بہت زیادہ ذخیرہ تھا اور امام ابوحنیفہ کے پاس کم تھا تو بحمد اللہ ہم اولاً اس کی حقیقت واضح کرتے چلے آئے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے عدم روایت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بڑے محدث نہیں تھے، پھر احکام کی روایات یوں بھی کم ہیں، اگر کتاب الآثار میں موجود روایات کو ہی امام ابوحنیفہ کا سرمایہ علم قرار دینے پر تل جائے تو اسی منطق میں اس کو تسلیم کرنا ہوگا کہ امام مالک کا سرمایہ علم بھی موطا میں موجود روایات تک ہی محدود ہے (جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ایسا سوچنے والا کوئی انتہائی متعصب یا انتہائی جاہل شخص ہی ہوگا) علاوہ ازیں کمی وبیشی ایک اضافی امر ہے، اگر ہم مان لیں کہ امام مالک سے امام ابوحنیفہ علم حدیث میں کم تر تھے تو اسی طرح امام شافعی بھی علم حدیث میں امام احمد سے کم تر تھے؛ لیکن اس سے کیا امام شافعی کی شان فقاہت میں کوئی کمی آتی ہے؟ اس موقعہ پر ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہم حافظ ذہبی کا وہ محاکمہ نقل کریں جو انہوں نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے درمیان علم حدیث کے سلسلے میں کیا ہے:

> وعلى الإنصاف لو قال قائلٌ: بل هما سواء في عِلم الكتاب. والأول (أبوحنيفة) أعلم بالقياس. والثاني (مالك) أعلم بالسنة. وعنده عِلمٌ جَمٌّ من أقوال كثيرٍ من الصحابة. كما أن الأول أعلمُ بأقاويل علي وابن مسعود وطائفةٍ ممن كان بالكوفة من أصحاب رسول الله۔ فرضي الله۔ عن الإمامين، فقد صِرنا في وقتٍ لا يقدِرُ الشخص على النطق بالإنصاف. نسألالله السلامة۔ (سیر أعلام النبلاء (8\112)

اور اگر انصاف کی بات کی جائے تو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ دونوں (امام مالک اور امام ابوحنیفہ) کتاب اللہ کے علم میں برابر تھے اور امام ابوحنیفہ قیاس میں امام مالک سے بڑھ کر تھے، اور امام مالک کو حدیث کا علم زیادہ تھا اور امام مالک کے پاس بہت سارے صحابہ کے اقوال کا علم تھا، جیسا کہ امام ابوحنیفہ کو حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور کوفہ میں بسنے والے صحابہ کرام کا زیادہ علم تھا، اللہ دونوں امام سے راضی ہو، ہم ایسے عہد میں جی رہے ہیں جب کسی شخص کے اندر انصاف کے ساتھ بات کرنے کا یارا نہیں ہے، اللہ سے ہی سلامتی کے طلبگار ہیں۔

(حافظ ذہبی اپنے زمانہ کا شکوہ کر رہے ہیں، اگر وہ آج کے حالات دیکھتے اور مقبل الوادعی، زبیر علی زئی اور ان ہی جیسوں کی تصنیفات وغیرہ پر ان کی نگاہ پڑتی تو نہ جانے وہ کیا کہتے؟)

حضرت ابراہیم نخعی کی مخالفت:

حضرت شاہ ولی اللہ کا تیسرا دعویٰ یہ رہا ہے کہ امام ابوحنیفہ بکثرت ابراہیم نخعی کی پیروی کرتے ہیں، اور شاذونادر ہی ان کے اقوال سے عدول کرتے ہیں، ہم ذیل میں کتاب الآثار سے کچھ ایسے آثار نقل کر رہے ہیں جہاں امام ابوحنیفہ نے بصراحت ابراہیم نخعی کے اقوال سے عدول کیا ہے اور ایسے مقامات کم نہیں ہے، ہم نے مقالہ کی طوالت کے پیش نظر ان تمام مسائل کی نشاندہی نہیں کی ہے جہاں امام ابوحنیفہ کی راہ ابراہیم نخعی سے الگ ہوتی ہے، اگر سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ابراہیم نخعی کے اقوال سے

امام ابو حنیفہ کی مخالفت اس قدر کم نہیں ہے کہ وہ کسی درجہ میں قابل لحاظ ہی نہ ہو۔

سردست ہم صرف کتاب الآثار کی ورق گردانی کرتے ہیں؛ کیونکہ اس میں امام محمد نے اپنے اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے قول کی وضاحت کردی ہے، جس سے تقابل بہت آسان ہو جاتا ہے، اور کتاب الآثار کی ورق گردانی ہمیں بتاتی ہے کہ امام صاحب نے فقہائے کوفہ کے علاوہ مکہ اور مدینہ کے فقہاء سے بھی استفادہ کیا ہے اور ان کی فقہی تفکیر میں صرف کوفہ نہیں بلکہ حجاز کا بھی اہم حصہ ہے، مقالہ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ ہم کتاب الآثار کے وہ تمام اقتباسات نقل کردیں، جس میں فقہ نخعی سے عدول ہے؛ اختصار کے ساتھ کچھ مثالیں پیش ہیں۔

۱۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سفر سے واپس آئے اور اس کا عورتیں بوسہ لیں، تو اگر بوسہ لینے والی خواتین محارم ہیں تو وضو نہیں ٹوٹتا، اگر بوسہ لینے والی عورتیں غیر محرم ہیں تو وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ یہ بمنزلہ حدث کے ہیں۔

اس پر امام محمد کہتے ہیں:

وَهَذَا قَوْلُ إِبْرَاهِيمَ، وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا وَلَا نَرَى فِي الْقُبْلَةِ وُضُوءًا عَلَى حَالٍ إِلَّا أَنْ يَمْذِيَ فَيَجِبُ عَلَيْهِ لِلْمَذْيِ الْوُضُوءُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (الامام محمد بن الحسن الشیباني، دار النشر: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان 1/34)

یہ ابراہیم کا قول ہے اور ہماری رائے اس کے برخلاف ہے، بوسہ لینے والی عورتیں چاہے محرم ہوں یا غیر محرم، کسی بھی حال میں روزہ نہیں ٹوٹتا، ہاں! یہ کہ بوسہ کے خیال سے مذی نکل آئے تو مذی نکلنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے گا اور یہی امام ابو حنیفہ کا بھی قول ہے۔

۲۔ مستحاضہ (جس عورت کو حیض کے بعد بھی خون آ تا رہے) کے بارے میں ابراہیم نخعی کی رائے ہے کہ ظہر کی نماز کا جب آخری وقت ہو تو وہ غسل کرے گی اور نماز پڑھے گی، پھر اسی غسل سے وہ عصر کی نماز پڑھے گی، پھر رکی رہے گی، جب مغرب کا وقت بالکل آخری ہوگا تو وہ غسل کرے گی اور اور مغرب اور عشاء کی نماز پڑھے گی، امام محمد فرماتے ہیں:

وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنَّا نَأْخُذُ بِالْحَدِيثِ الْآخَرِ أَنَّهَا تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ وَقْتِ صَلَاةٍ وَتُصَلِّي فِي الْوَقْتِ الْآخَرِ، وَلَيْسَ عَلَيْهَا عِنْدَنَا إِلَّا غُسْلٌ [ص:89] وَاحِدٌ حَتَّى تَمْضِيَ أَيَّامُ إِقْرَائِهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (المصدر السابق 1/87)

ہم ابراہیم نخعی کی اس رائے کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ہماری رائے اس حدیث کے مطابق ہے، جس میں حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت وضو کرے گی اور آخر وقت میں نماز پڑھے گی، اور جب اس کا خون بند ہو جائے گا تو وہ غسل کرے گی اور نماز پڑھے گی اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا بھی قول ہے۔

۳۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں، اگر کسی شخص نے عشاء کی نماز پڑھی اور وتر نہیں پڑھا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو وتر پڑھنے کا وقت ختم ہو گیا، امام محمد فرماتے ہیں:

وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا. يُوتِرُ عَلَى كُلِّ حَالٍ إِلَّا فِي سَاعَةٍ تُكْرَهُ فِيهَا الصَّلَاةُ حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ حَتَّى تَبْيَضَّ، أَوْ يَنْتَصِفَ النَّهَارُ حَتَّى تَزُولَ أَوْ عِنْدَ احْمِرَارِ الشَّمْسِ حَتَّى تَغِيبَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (المصدر السابق 1/338)

ہم اس رائے کے قائل نہیں ہیں: وہ اس پورے دن مکروہ اوقات کے علاوہ میں وتر کی قضاء پڑھ سکتا ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا بھی قول ہے۔

۴۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں: جب کوئی مسجد میں اس حال میں داخل ہو کہ جماعت کھڑی ہو چکی ہو، اور لوگ رکوع میں ہوں تو تیز چل کر رکوع میں شامل ہو جانا چاہئے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں:

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنْ يَمْشِي عَلَى هِينَةٍ حَتَّى يُدْرِكَ الصَّفَّ فَيُصَلِّيَ مَا أَدْرَكَ، وَيَقْضِيَ مَا فَاتَهُ (المصدر السابق 1/347)

ہماری رائے اس کے خلاف ہے، وہ آہستہ حسب سابق چلے، یہاں تک کہ صف میں پہنچے، جتنی نماز جماعت کے ساتھ ملے، اسے ادا کرے اور جو چھوٹ گئی، اسے مکمل کرے اور یہی امام ابو حنیفہؓ کا بھی قول ہے۔

۵۔ جنازہ کے ساتھ چلنے میں ابراہیم نخعی کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ جنازہ سے کافی آگے بڑھ جایا کرتے تھے، ہاں! اتنی دور نہیں جایا کرتے تھے کہ نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔

امام محمد فرماتے ہیں:

لَا نَرَى بِتَقَدُّمِ الْجَنَازَةِ بَأْسًا إِذَا كَانَ قَرِيبًا مِنْهَا، وَالْمَشْيُ خَلْفَهَا أَفْضَلُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ۔

جنازہ کے آگے چلنے میں کوئی ہرج نہیں ہے، جب کہ زیادہ دوری نہ ہو، لیکن جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے اور یہی امام ابو حنیفہؓ کا بھی قول ہے۔

۶۔ ابراہیم نخعی سے ایسے پانی کے پینے اور وضو کے بارے میں سوال کیا گیا، جس میں بلی منہ ڈال چکی ہو، ابراہیم نخعی نے جواب دیا کہ بلی گھر میں گھومتی رہتی ہے، اس کا بچا ہوا پانی پینے میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر ان سے بلی کے منہ ڈالے پانی سے وضو کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس بارے میں اللہ نے رخصت دی ہے، نہ حکم دیا ہے اور نہ منع کیا ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ

قَالَ أَبُوحَنِيفَةَ: غَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ،وَإِنْ تَوَضَّأَ مِنْهُ أَجْزَأَهُ، قَالَ، وَكَذَلِكَ شُرْبُ غَيْرِهِ أَحَبُّ إِلَيَّ، وَإِنْ شَرِبَهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ، قَالَ مُحَمَّدٌ [ص:13]: وَبِقَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ نَأْخُذُ (المصدر السابق 1/11)

امام ابو حنیفہؓ نے فرمایا: بلی نے جس پانی میں منہ ڈال دیا ہو، اگر اس سے وضو کر لیا جائے تو وضو درست ہو جائے گا لیکن بہتر یہ ہے کہ دوسرا پانی استعمال کیا جائے، اسی طرح بلی کا بچا ہوا پانی پینا جائز ہے؛ لیکن پسندیدہ

یہ ہے کہ دوسرا پانی پیا جائے، امام محمد فرماتے ہیں: میری رائے وہی ہے جو امام ابو حنیفہ کی رائے ہے۔

۷۔ کپڑے میں شیر خوار بچے کا پیشاب لگ جائے تو ابراہیم نخعی کی رائے یہ ہے کہ اس پر سے پانی بہا دیا جائے۔

امام محمد فرماتے ہیں:

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَعْجَبُ ذَلِكَ أَنْ تَغْسِلَهُ غَسْلًا. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (المصدر السابق 1/53)

مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ ایسے کپڑے کو باقاعدہ دھویا جائے اور یہی رائے امام ابو حنیفہؒ کی بھی ہے۔

۸۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جو شخص ناخن تراشے یا پھر بال اکھاڑے یا کاٹے، تو انگلیوں پر یا جہاں سے بال اکھاڑے گئے ہیں، وہاں پانی بہا دے۔

امام محمد فرماتے ہیں:

وَسَمِعْتُ أَبَا حَنِيفَةَ يَقُولُ: «رُبَّمَا قَصَصْتُ أَظْفَارِي، وَأَخَذْتُ مِنْ شَعْرِي وَلَمْ أُصِبْهُ الْمَاءَ حَتَّى أُصَلِّيَ» قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. (المصدر السابق 1/65)

میں نے امام ابو حنیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے "بسا اوقات میں نے ناخن تراشیا یا پھر بال اکھاڑے، لیکن بغیر دھوئے اور پانی بہائے میں نے نماز پڑھی ہے"، امام محمد فرماتے ہیں: میری بھی رائے یہی ہے۔

۹۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں: عورت کیلئے وضو کے دوران محض کنپٹیوں کا مسح کرنا کافی نہیں؛ بلکہ اس کو ایسے ہی مسح کرنا ضروری ہے جیسے مرد مسح کرتے ہیں۔

امام محمد فرماتے ہیں:

وَأَمَّا نَحْنُ فَنَقُولُ: إِذَا مَسَحَتْ مَوْضِعَ الشَّعْرِ فَمَسَحَتْ مِنْ ذَلِكَ مِقْدَارَ ثَلَاثِ أَصَابِعَ أَجْزَأَهَا وَأَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ تَمْسَحَ كَمَا يَمْسَحَ الرَّجُلُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (المصدر السابق 1/74)

ہماری رائے یہ ہے کہ جب کسی عورت نے اس طرح مسح کیا کہ سر پر تین انگلی کے برابر مسح ہو گیا تو بس کافی ہے؛ ہاں! زیادہ بہتر اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ وہ بھی ایسے ہی مسح کرے، جیسے مرد مسح کرتے ہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا بھی ہے۔

۱۰۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ موذن اگر دوران اذان کلام (بات چیت کرے) تو میں نہ اس کی اجازت دوں گا اور نہ منع کروں گا۔

امام محمد فرماتے ہیں:

وَأَمَّا نَحْنُ فَنَرَى أَنْ لَا يَفْعَلَ، وَإِنْ فَعَلَ لَمْ يَنْقُضْ ذَلِكَ أَذَانَهُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (المصدر السابق 1/100)

اس بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ موذن ایسا نہ کرے اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس سے اذان فاسد نہیں ہو گی۔

۱۱۔ ابراہیم نخعی، علقمہ اور اسود سے روایت کرتے ہیں کہ ان کو ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ نے نماز پڑھائی، تین آدمی تھے، تینوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا، ایک کو دائیں اور ایک کو بائیں، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ جب تم تین آدمی ہو تو ایسے ہی کیا کرو، حضرت عبداللہ بن مسعود رکوع میں تطبیق فرماتے تھے (تطبیق یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو ملا کر دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھ لیا جائے) اور وہ نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی۔

امام محمد فرماتے ہیں:

وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الثَّلَاثَةِ،وَلَكِنَّا نَقُولُ إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً تَقَدَّمَهُمْ إِمَامُهُمْ، وَصَلَّى الْبَاقِيَانِ خَلْفَهُ، وَلَسْنَا نَأْخُذُ أَيْضًا بِقَوْلِهِ فِي التَّطْبِيقِ كَانَ يُطَبِّقُ بَيْنَ يَدَيْهِ إِذَا رَكَعَ، ثُمَّ يَجْعَلَهُمَا بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ، وَلَكِنَّا نَرَى أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ رَاحَتَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، وَيُفَرِّجَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ تَحْتَ الرُّكْبَتَيْنِ. وَأَمَّا صَلَاتُهُ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ فَذَلِكَ يُجْزِئُ وَالْأَذَانُ وَالْإِقَامَةُ أَفْضَلُ. وَإِنْ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَلَمْ يُؤَذِّنْ فَذَلِكَ أَفْضَلُ مِنَ التَّرْكِ لِلْإِقَامَةِ؛ لِأَنَّ الْقَوْمَ صَلَّوْا جَمَاعَةً. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (المصدر السابق 1/211)

ہم اس مسئلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے قول و فعل پر عمل نہیں کرتے، ہماری رائے یہ ہے کہ نماز پڑھنے میں اگر تین آدمی ہوں تو ایک آگے کھڑا ہو اور بقیہ دو اس کے پیچھے، اور تطبیق پر بھی ہمارا عمل نہیں ہے، ہماری رائے یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیاں دونوں گھٹنوں پر رکھی جائے، گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے میں انگلیاں ملا کر نہیں بلکہ کشادہ اور پھیلا کر رکھی جائے، جہاں تک بغیر اذان واقامت کے نماز پڑھنے کی بات ہے تو اس سے نماز ہو جاتی ہے؛ لیکن اذان واقامت کہنا افضل ہے، اگر اقامت کہی جائے لیکن اذان نہ دی گئی ہو تو وہ اذان واقامت دونوں نہ کہنے سے بہتر ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔

۱۲۔ ایک شخص نماز کے دوران اپنے عضو تناسل کے سرے پر کچھ تری پاتا ہے تو وہ کیا کرتے، (شبہ یہ ہے کہ شاید یہ پیشاب کا قطرہ ہو) ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ اگر میرے ساتھ ایسا ہوتا ہے تو میں وضو اور نماز دونوں کو دوہراتا ہوں۔

امام محمد فرماتے ہیں:

وَأَمَّا نَحْنُ فَنَرَى أَنْ يَمْضِيَ عَلَى صَلَاتِهِ، وَلَا يُعِيدَ، وَلَا يَضْرِبَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ، وَلَا يَمْسَحَ بِوَجْهِهِ وَلَا يَدَيْهِ حَتَّى يَسْتَيْقِنَ أَنَّ ذَلِكَ خَرَجَ مِنْهُ بَعْدَ الْوُضُوءِ، فَإِذَا اسْتَيْقَنَ ذَلِكَ أَعَادَ الْوُضُوءَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (المصدر السابق1/412)

ہماری رائے یہ ہے کہ مصلی نماز پڑھتا رہے، اس کو نہ وضو دوبارہ دوہرانے کی ضرورت ہے، ہاں!

اگراس کو یقین ہو جائے کہ وہ قطرہ وضو کے بعد نکلا ہے تو وہ وضو کو دوہرا لے، اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

۱۳۔ حماد، ابراہیم نخعی سے نقل کرتے ہیں کہ کسی عورت کے انتقال پر اس کا شوہر اس کو غسل دے سکتا ہے۔

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: أَكْرَهُ أَنْ يُغَسِّلَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِقَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ نَأْخُذُ، إِنَّ الرَّجُلَ لَا عِدَّةَ عَلَيْهِ؛ وَكَيْفَ يُغَسِّلُ امْرَأَتَهُ، وَهُوَ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُخْتَهَا؟ وَيَتَزَوَّجَ ابْنَتَهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِأُمِّهَا؟ (المصدر السابق 2/36)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ مرد اپنی بیوی کو غسل دے، امام محمد فرماتے ہیں، امام ابو حنیفہ کا قول ہی ہم اس مسئلہ میں اختیار کرتے ہیں، اور اس قول کی دلیل ہے کہ بیوی کے موت کے بعد مرد پر کوئی عدت نہیں ہے (جس سے خفیف سا رشتہ نکاح باقی رہنے کا وہم ہو) وہ اس کی بہن سے شادی کر سکتا ہے، اور اگر ہم بستر نہ ہوا ہو تو اس کے دوسرے شوہر کی بیٹی سے بھی شادی کر سکتا ہے (یہ تمام باتیں بتاتی ہیں کہ شوہر اس میت بیوی کیلئے غیر اور نامحرم ہو چکا ہے)

۱۴۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ عورت نماز میں جیسے چاہے بیٹھ سکتی ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں:

أَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ تَجْمَعَ رِجْلَيْهَا فِي جَانِبٍ، وَلَا تَنْتَصِبَ انْتِصَابَ الرَّجُلِ (کتاب الاثار للامام محمد، ص:609]

ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ وہ مرد کی طرح نہ بیٹھے بلکہ وہ اپنے پاؤں کو ایک جانب نکال کو بیٹھے۔

(نوٹ: اس کے علاوہ مزید اس طرح کے مسائل ڈھونڈنے سے جہاں امام ابو حنیفہ ابراہیم نخعی کی مخالفت کرتے ہیں پچاس سے بھی زائد مثالیں محض کتاب الآثار سے مل جاتی ہیں۔ اگر ابراہیم نخعی اور امام ابو حنیفہ کے اختلافات کو از اول تا آخر کھنگالا جائے تو یقیناً اس کی تعداد بہت بڑھ جائے گی اور اس میں مزید کئی گنا اضافہ ہو جائے گا، اگر ہم ابراہیم نخعی کے ساتھ اختلاف کرنے میں امام ابو یوسف و امام محمد یا ان مین سے کسی ایک کو بھی شامل کر لیں تو ان اختلافات کی مقدار مزید بڑھ جائے گی۔)

ان تمام مثالوں میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ نہ صرف امام ابو حنیفہ بلکہ امام محمد بھی ابراہیم نخعی کے اجتہاد کے پابند نہیں ہیں؛ بلکہ وہ کھلے عام دلیل کی روشنی میں اور اپنے اجتہاد کی روشنی میں ان سے اختلاف کرتے ہیں، جہاں ان سے اتفاق کرتے ہیں، وہاں تخریج کی بنیاد پر نہیں اور ان کے اقوال کو لازم سمجھ کر نہیں؛ بلکہ ان مقامات میں دونوں کا اجتہاد ایک ہو جاتا ہے، اجتہاد میں توافق کی بناء پر امام صاحب ابراہیم نخعی کے ہمنوا ہوتے ہیں نہ کہ ان کے قول کو لازم سمجھ کر۔ (جاری)

اسلام، جمہوریت اور آئین پاکستان

سیاسی ومذہبی قائدین وکارکنان کے لیے رہنما کتابچہ

موضوعات: جمہوریت اور جمہوری اقدار، حکومت اور اس کے مختلف شعبہ جات، جمہوریت کا اسلامی تصور، مذہبی شبہات وخدشات اور ان کا ازالہ، ملکی اور بین الاقوامی قوانین کی شرعی حیثیت، آئین پاکستان پر معترضین کے شبہات کا تنقیدی جائزہ، ووٹ کی شرعی حیثیت

ترتیب وتدوین: محمد اسرار مدنی

صفحات: 136

ناشر: مجلس تحقیقات اسلامی (پی او بکس نمبر 5، نوشہرہ، کے پی کے)

ircra313@yahoo.com / 0923-563445

مباحثہ ومکالمہ

محمد عبداللہ شارق*[37]

زوالِ امت میں غزالی کا کردار

(تاریخی حقائق کیا ہیں؟-۲)

زوالِ امت میں غزالی کا کردار اور اصل حقائق

(تاریخِ اندلس کے چند دلچسپ اوراق)

ہم نے لکھا ہے کہ اندلس میں خلافتِ امویہ کے سقوط کے بعد جو دور شروع ہوا وہ طوائف الملوکی کا دور کہلاتا ہے، اس دور میں ریاست سات حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ضعف وافتراق اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ اس دور میں اندلس صلیبیوں کا باج گذار بنا ہوا تھا، ڈیڑھ ڈیڑھ انچی ریاستوں کے امراء اہلِ صلیب کو باقاعدہ جزیہ دیتے تھے، پھر اسی پہ بس نہیں، مذکورہ حصوں میں سے دو حصے یکے بعد دیگرے عیسائی ہتھیا کر لے گئے۔ اس وقت جس طرح مسلمان بے سمت، تفرق وتشتت کا شکار اور آپس میں گتھم گتھا تھے، اس کی بناء پر اندیشہ ہو چلا تھا کہ بقایا حصہ

37* مدیر مرکز احیاء التراث (برائے تحقیق مخطوطات واسلامی علمیات) ملتان۔ mitmultan@gmail.com